R.No. 2186/57 REGD. N.L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت ۱-۸-۱۵-۲۲

فون نمبر ۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

جلد ۲۸ - شمارہ ۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

غالب کے تیس بہترین اشعار

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب! ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا؟ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

کرے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

تماشائے گلشن تمنائے چیدن بہار آفرینا! گنہ گار ہیں ہم

دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنا واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہم کو

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھوں سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر دامن کو آج اس کے حریفانہ کھینچیے

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا   گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر   کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

نہیں نگار کو الفت، نہ ہو نگار تو ہے   روانیٔ روش و مستیٔ ادا کہیے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب   آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

رالف رسل غالب پر مقالہ پڑھیں گے

نئی دہلی: اس ماہ کے آخر میں اردو کے مشہور شاعر مرزا غالب پر جو سیمینار ہو رہا ہے اس میں شرکت کے لئے اردو زبان کے برطانوی پروفیسر جناب رالف رسل ہندوستان آ رہے ہیں موصوف مرزا غالب اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے عنوان سے مقالہ پڑھیں گے۔ (ریاست)

دو ممتاز امریکی عالم غالب پر مقالے پڑھیں گے

نئی دہلی: ہارورڈ اور بوسٹن یونیورسٹیوں سے تعلق رکھنے والے دو ممتاز اردو اسکالر غالب صدی تقریبات میں شرکت کریں گے جو اس ماہ کے آخر میں شروع ہو رہی ہے ان میں ایک ڈاکٹر میری شیمل ہیں جو ہارورڈ یونیورسٹی میں انڈین کلچر کے ماہر ہیں، دوسرے بوسٹن یونیورسٹی کے جناب اسپرین جو مذاہب کے پروفیسر ہیں۔ مذہبی روایات میں غالب کا مقام کے زیر عنوان ایک مقالہ پڑھیں گے۔ (الجمعیۃ)

اٹلی میں غالب کی غزلوں کا ترجمہ

روم: اردو کے عظیم شاعر غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر اٹلی کے مشرق قریب و بعید انسٹی ٹیوٹ نے اردو کی اس غزلوں کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ہی جناب احمد علی کا تنقیدی تعارف بھی ہے۔ پروفیسر احمد علی کی تصنیف 'غالب' میں تعارف صرف ایک تنقیدی جائزہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں انیسویں صدی کے ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی کوائف کا بھی تعارف ملتا ہے اس میں غالب کی شاعری کا تجزیہ ایک نئے انداز سے کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نسخۂ حمیدیہ کے ساتھ اردو کے اشعار کو بھی نقل کیا گیا ہے۔ (الجمعیۃ)

لاہور میں غالب سے متعلق نمائش

لاہور: فروری کے دوسرے ہفتہ میں غالب کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں لاہور میں مجلس یادگار غالب ایک نمائش لگائے گی اس نمائش میں مجلس کی وہ کتابیں جو غالب سے تعلق رکھتی ہیں اور دیگر مصنفین کی غالب پر تصنیفات اشعار اور مرقع چغتائی رکھے جائیں گے۔ غالب کے دور کے کچھ کپڑے جو خصوصی یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں نمائش میں شامل ہوں گے۔

غالب پر دستاویزی فلم

لاہور: وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان غالب کی حیات پر مشتمل ایک دستاویزی فلم بنا رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ فلم غالب کے جشن صد سالہ کے موقع پر ریلیز ہو جائے گی۔ اس فلم کو اردو کے مشہور ادیب و شاعر خلیق ابراہیم تیار کر رہے ہیں۔ (نگار)

غالب خستہ تن

لاڑکانہ: غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر حلقۂ ادب لاڑکانہ "غالب خستہ تن" کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہا ہے جسے حلقہ کے سکریٹری ریاض صدیقی نے مرتب کیا ہے۔ (نگار)

مگدھ یونیورسٹی میں غالب انعامی مقابلہ

یونیورسٹی شعبۂ اردو، مگدھ یونیورسٹی گیا کی طرف سے غالب کی صد سالہ برسی فروری ۱۹۶۹ء کے اواخر میں منائی جا رہی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل انعامی مقابلے کا پروگرام ہے۔

۱۔ منشی ہرگوپال تفتہ پرائز:۔ تحقیقی مقالہ۔ غالب کے غیر مسلم محبین و تلامذہ۔ ۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی پرائز:۔ انشائیہ۔ ایک ڈھونڈھو ہزار اسے ہیں۔ ۳۔ صوفی منیری (عظیم آبادی) پرائز:۔ تنقیدی مقالہ۔ غالب اور دبستان عظیم آباد۔ ۴۔ سہراب مودی پرائز:۔ پانچ منظر کی تمثیل۔ ہنگامۂ غدر اور غالب۔ ۵۔ عبدالرحمٰن چغتائی پرائز:۔ رنگ آمیز عکاسی۔ مزید معلومات م۔م۔ عالم سکریٹری یونیورسٹی شعبۂ اردو جھوار کوشی کیمپ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

غالب پر ڈرامہ

ڈاکٹر محمد حسن ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے غالب کے خطوط اور کلام کی بنیاد پر ایک تفصیلی اسٹیج ڈرامہ کہرے کا چاند لکھا ہے جسے شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی عنقریب شائع کرے گی۔ (سکریٹری)

بقیہ صفحہ ۳ سے آگے

شروع میں چند صفحات تصاویر کے لئے وقف کئے گئے ہیں، ان میں حسن ترتیب کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ بعض بہت پرانی تصاویر حال کے دنوں کی شامل کر دی گئی ہیں، خاص طور پر مالک رام صاحب اور پروفیسر احتشام حسین صاحب کی۔ بہتر ہوتا اگر غالب کی نادر تحریرات یا ان کے خوب صورت طبع شدہ کلام کے عکس زیادہ شامل کئے جاتے۔

غالب پر جس طرح پورے ملک کی توجہ مرکوز ہوئی ہے اس کے پیش نظر ابھی گوناگوں پہلو سامنے آئیں گے۔ ادارہ فروغ اردو نے تو اپنا کام انجام دے دیا۔

ڈاکٹر وارث کرمانی

غالب کی فارسی شاعری

مختصر خاکہ

غالب کی فارسی شاعری تقریباً سبھی اصنافِ سخن پر مشتمل ہے جن میں قطعات، قصائد، غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں یہ مسئلہ اب بھی بحث طلب ہے کہ غالب کس صنفِ سخن میں زیادہ بڑے شاعر تھے اتنا کہا جا سکتا ہے کہ رباعیاں اور قطعات دوسری اصناف سے کمزور ہیں۔ حالی نے قصائد کی زیادہ تعریف کی ہے لیکن یہ تعریف شاید خود غالب کی رائے سے متاثر ہو کر کی گئی ہو کیونکہ وہ قصیدوں کو اپنی شاعری کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتے تھے اس کا اظہار انھوں نے نبی بخش خاں حقیر کے نام ایک خط میں بھی کیا ہے۔ ممکن ہے بعض سننے والوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ خود غالب کے فیصلے کے بعد مزید غور و فکر کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غالب کے زمانے کا معیارِ سخن اور تھا اس وقت قصیدے کو اصل شاعری سمجھا جاتا تھا اور اس شاعری میں مبالغہ، ندرتِ بیان، صناعی اور فنکاری کو سب سے بڑی خوبی تسلیم کیا جاتا تھا خود غالب شاعری میں فنی لوازم کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس کے برعکس فکر و احساس کا گرانقدر سرمایہ جو ان کی غزلوں اور مثنویوں میں ہے اس زمانے میں ثانوی حیثیت رکھتا تھا اور اکثر غیر شعوری طور سے شاعری میں راہ پاتا تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ غالب کے قصائد سراسر فنکاری کا نمونہ ہیں اور انھیں فکری تجربات سے کوئی تعلق نہیں ان کے قصائد کی تشبیب یقیناً آج کے شعری معیار سے بھی اول درجہ کی شاعری میں آتی ہے اور بعض پورے پورے قصائد بھی جنھیں شاعر نے ذاتی محبت اور عقیدت سے لکھا ہے اپنا جواب آپ ہیں جیسا کہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، صدر الدین آزردہ اور ضیاء الدین احمد سے متعلق قصائد ہیں۔ دراصل غالب کی طبیعت تشبیب ہی میں پورے عروج پر آتی تھی کیونکہ اس میں ان کے شعری تجربات و مشاہدات کو آزادانہ اظہار کا موقع ملتا تھا یہی سبب ہے کہ اس ذیل میں بہت سے ایسے شعر ملتے ہیں جنھیں کبھی بھی اعلیٰ پائے کی غزل میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

جنبد در آئینہ ندیدم اثر سعی خیال
ہر قدر بہر طلبگاری انساں زدہ ام
زحمتی رنجش اہل طرب ریختہ ام
خواب خوش گشتم و از یادِ عزیزاں رفتم
گم نقب بہ گنجینۂ دلہا می زد
مژدہ باد اہل ریا را کہ ز میداں رفتم

مدح گستری سے غالب کو ہمیشہ انقباض ہوتا تھا چنانچہ اس کا ازالہ کرنے کے لئے عرفی کی طرح وہ بھی چند شعر اپنی تعریف میں کہہ لیتے تھے انانیت کا یہ جذبہ اس قدر تھا کہ نعت و منقبت کے شعر کہتے ہوئے بھی اشہبِ قلم کی باگ ان کی اپنی مدح کی طرف بے ساختہ مڑ جاتی تھی،

کلک مرا ز نازش مدح تو دمسراست
بادی کہ جنبش علم کاویاں دہد
ایزد دنیا خرید چنانم بہ فن شعر
کاز رکسی نظیر درین خاکداں دہد
ہر کس کہ سوی صفحۂ شعرم نظر کند
مشکل کہ دل بنغزۂ عنبر فشاں دہد
ہم نغز سنج عشقم و ہم رازدان علم
ناہید ساز و مشتری ام طیلساں دہد

غالب کی غزل میں بالکل دوسری فضا ہے یہاں خود ستائی کے مقابلہ پر خود نگری کی کیفیت زیادہ ہے۔ غالب نے فارسی غزل کو اس جگہ سے لیا تھا جہاں عالمگیری عہد کے آخری بڑے شاعر بیدل نے اسے چھوڑا تھا اسی لئے ان کی غزل میں مغل عہد کے فارسی شاعروں کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جن میں بعض عرفی، نظیری اور ظہوری خاص طور سے نمایاں ہیں۔ غالب نظیری کو غزل میں اپنا معنوی استاد مانتے تھے اور اس کے طرز کو غزل کا مثالی نمونہ سمجھ کر اپنے سامنے رکھتے تھے نظیری کو ایک طرح سے فارسی غزل کا نقطۂ عروج کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی غزل میں اسلوب خیال کی نزاکتیں اس کے علائم و رموز اور احساس و

کرشن موہن

قطعات

چاہتے ہیں لوگ اب سنی پھبن
خوبیٔ باطن کا طالب کون ہے
کس قدر بے ذوق ہیں وہ لوگ بھی
پوچھتے ہیں جو کہ غالب کون ہے

اتنی بیداد ہے اس دور میں فکر و فن پر
کب ہے ہر صاحبِ فن داد سخن کا طالب
دیکھ کر ہند میں یہ حالتِ زار اردو
دل میں پھر گریۂ اک شعلہ اٹھا یا غالب

مسئلۂ دل پہ ہے کیف ملاقات
نشۂ و آگہیں ہیں اک بت کی عنایات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا
بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات

مرا اخلاص وفا اس کی جفا کے بدلے
میری تدبیر پہ غالب ہے مری قسمت بد
اب پشیمانی پیہم سے بھلا کیا حاصل
دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار آشنا

ہو کہیں دیں انہیں ہے تو بتقید جانِ غالب
ابھی کم سِن ہی ہے لیکن تری آن بان غالب
تری شاعری کے شیدا تجھے کیوں نہ دل دکھیں
یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیانِ غالب

کوئی ساحر بھی دل سے بھلایا جا نہیں سکتا
سخن جس کا ہو پُرفن وہ برابر یاد آتا ہے
رموزِ زیست سے آگاہ کرتا ہے کلام اس کا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے

سوز اشعار میں پوشیدہ ہے تحسیں کا خراج
سچ تو یہ ہے کہ محبت کی فضا ہے معراج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

اظہار کی پیچیدگی درجۂ کمال تک پہنچ گئی تھی ظاہر ہے یہ تخیلانہ انداز جذبہ کی شدت کو کم تر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے شعر میں تاثر کے بجائے تحیر و استعجاب پیدا کرنے کا سامان زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہی تحیر ایرانی شاعروں کے وسیلے سے غالب کی غزل میں داخل ہو گئی ہے یہاں بھی حقیقی جذبات اور پرسوز لہجے کی اسی طرح کمی پائی جاتی ہے جیسی کہ اس دور کے شاعروں میں تھی۔ جدت بیان اور صناعی و مشق سے پیدا ہونے والا ایک خاص قسم کا تغزل بھی غالب کے یہاں انھیں پیشرو شاعروں کے اثر سے آیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی غالب نے اس عہد کی آزادہ خیالی اور توانائی اس کا باغیانہ انداز اور انانیت سے بھرپور لہجہ بھی پورے طور سے قبول کیا اس خوبی پر مستزاد بیدل کی فلسفیانہ بصیرت اور خود غالب کی رنگا رنگ شخصیت کی چھاپ ہے اسی لئے غالب کو محض اس عہد کی آواز بازگشت نہیں کہا جا سکتا ان کی شاعری بہت وسیع گہرے اور متنوع تجربات کا خزانہ ہے جس میں ایرانی اور ہندوستانی تمدن کے کئی دھارے آپس میں ٹکرا کر ایک جدلیاتی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور ان کی باہم آمیزش و آویزش سے ایسا جہان معنی وجود میں آتا ہے جو زیادہ وسیع اور پُرشور ہے۔ یہ فارسی غزل غالب کی اردو غزل سے اساسی طور سے مختلف نہیں ہے۔ وہی نفسیاتی گہرائی اور جذبہ و تعقل کی گرفت یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تاہم غالب کو پورے طور سے سمجھنے اور ان کی شعری عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے اس کا پڑھنا لازمی ہے کیونکہ ایک ہی فکری رجحان رکھنے کے باوجود اس کا کینوس زیادہ بڑا اور اس کے تجربات زیادہ پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ پر ہماری نظر جب اردو شاعری پر پڑتی ہے تو وہ ایک چڑھے ہوئے دریا کے چڑھان کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس مختصر سی گفتگو میں طویل اقتباسات کی گنجائش نہیں دو تین شعر فارسی غزل کے نمونہ کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں۔

دل بردہ و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت	بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است	بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت
کاری عجب افتادہ بدیں شیفتہ ما را	مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

اور وہ مشہور شعر جو ہر دور میں نئی اور پرانی تہذیبوں کی آویزش پر صادق آتا ہے کسے پسند نہ آئے گا۔

با من میاویز ای پدر فرزند آذر را نگر	ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

ایک اور شعر ملاحظہ کیجیے جسے اس زمانے میں صرف غالب ہی کہہ سکتے تھے کیونکہ ان ہی میں انسانی نفسیات کو خطرناک حد تک کریدنے کی عادت اور جرأت تھی۔

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیماں شو	کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو

آخر میں اس مفکر اور دانشور شاعر کا ایک خالص غزل کا بھی شعر سن لیجیے جس کی رنگینی اور جلوہ ریزی پر مومن اور حسرت جیسے غزل گو بھی رشک کرتے ہوں گے۔

ادائیست اورا کہ از دلبرا نی	نہفتن ز شوخی بہ اظہار ماند

غالب کی فارسی شاعری کو ممتاز کرنے والی دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مثنویاں بھی شامل ہیں اردو جاننے والے غالب کی غزل گوئی اور قصیدہ نگاری کا اندازہ کسی حد تک ان کے اردو کلام کو سامنے رکھ کر کر سکتے ہیں لیکن اردو میں غالب کی کوئی مثنوی نہیں جس سے ان کے فارسی مثنوی کا قیاس کیا جا سکتا اس پر حسن اتفاق دیکھئے کہ غالب کی تمام شعری کائنات میں ان کی مثنوی ابر گہر بار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو صاحب قران ثانی شاہجہاں کی تعمیرات میں تاج محل کو حاصل ہوئی ہے اس مثنوی کے بعض حصے مثلاً مناجات، ساقی نامہ اور مغنی نامہ اس ذہنی سطح تک پہنچ جاتے ہیں جہاں دنیا کی عظیم ترین شاعری معرض وجود میں آتی ہے۔ مناجات اردو فارسی میں کوئی نئی چیز نہیں لیکن غالب نے جس طرح ذاتی غم اور اپنی محرومی و ناکامی کو اس مناجات کے بہانے سے ظاہر کیا ہے اس نے اس نظم کو بالواسطہ انسان کی ازلی تقدیر اور مرگ و حیات کی ستم ظریفی پر گہرے طنز اور شدید احتجاج کے پیکر میں ڈھال دیا ہے فارسی اور اردو کی شاعری کی عام روش کے برعکس اس نظم میں خدا کا قاہرانہ تصور زیادہ جمہوری اور نرم ہو کر سامنے آتا ہے کیونکہ اس تصور میں حریف مخالف کا پُرشور احتجاج بھی شامل ہے جسے غالب کی زبان نے ادا کیا ہے دیکھئے ان اشعار میں شاید آپ کو بھی اپنے دل کی آواز معلوم ہو غالب شراب نوشی کے عذر سے اپنی بات شروع کرتے ہیں

من اندوہ گیں و می اندوہ ربا	چہ میگردم ای بندہ پرور خدا
حساب می و رامش و رنگ و بو	ز جمشید و بہرام و پرویز جو
کہ از بادہ تا چہرہ افروختند	دل دشمن و چشم بد سوختند
نہ از من کہ از تاب می گاہ گاہ	بدریوزہ رخ کردہ باشم سیاہ
نہ بستانسرای نہ میخانہ‌ای	نہ دستانسرای نہ جانانہ‌ای
نہ رقص پری پیکران بر بساط	نہ غوغای رامشگران در رباط
شبانگہ بہ رہنمونم شدی	سحرگہ طلبگار خونم شدی
تمنای معشوقہ و بادہ نوش	تقاضای بیہودہ می فروش
چہ گویم چو ہنگام گفتن گذشت	ز عمر گرانمایہ بر من گذشت
بسا روزگاران بہ دلدادگی	بسا نوبہاران بہ بے بادگی
بسا روز باران و شبہای ماہ	کہ بودست بی می بچشم سیاہ
لبالب پر از ابر بہمن جہی	سفالینہ جام از می تہی
بہاران و من در غم برگ و ساز	در خانہ از بینوائی فراز
سر از منت ناکسان زیر خاک	لب از خاکبوس خساں چاک چاک
بہ گیتی درم بینوا داشتی	دلم را اسیر ہوا داشتی
نہ نازک نگاری کہ نازش کشم	بہ ہر بوسہ زلف درازش کشم
چو زان غمزہ نیشی بدل بر خورد	رگ جان غم نوک نشتر خورد
بجان عمر ناخوش کہ من داشتم	ز جان خار در پیرہن داشتم
چو دل زین ہوسہا بجوش آمدی	ز دل بانگ خونم بگوش آمدی
ہنوزم بجان دل بجوش اندر است	ز دل بانگ خونم بگوش اندر است
چو آں نامرادی بیاد آیدم	بہ فردوس ہم دل نیاسایدم

دلی اکثر شکیبد بیا غ
ور آتش چہ سوزی بسوزندہ داغ!

(شکریہ آل انڈیا ریڈیو دہلی)

مظفر اقبال

ادبی تحقیق ایک مستقل فن

اس وقت اردو میں تحقیق کا کام نہایت ہی وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے ملک کی یونی ورسٹیاں بہت ہی اہم رول ادا کر رہی ہیں چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس یونی ورسٹی میں بھی اردو زبان و ادب کی اعلیٰ تعلیم کا نظم ہے وہاں طلبہ اور اساتذہ اس کام میں سرگرم نظر آتے ہیں اور چند یونی ورسٹیوں میں تو آغاز کار سے قبل طلبہ کو اس کام کی تربیت بھی دی جاتی ہے مثال کے طور پر پٹنہ یونیورسٹی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جہاں ایم۔اے (اردو) کے نصاب میں دو سو نمبر کا تحقیقی مقالہ (DISSERTATION) بھی داخل ہے جن طالب علموں کو تحقیق سے مناسبت ہوتی ہے وہ اساتذہ کی نگرانی میں مقالہ تیار کرتے ہیں اور اس طرح عملی تحقیق کے طریقہ کار سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو نے بھی طلبہ کو راہ و رسم منزل سے آشنا کرنے کا باقاعدہ نظم و اہتمام کیا ہے اپنے یہاں مخطوطہ شناسی اور ایم۔لٹ کے درجے قائم کئے ہیں جن میں طلبہ کو اس فن کی تربیت باضابطہ طور پر دی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود یونیورسٹیوں میں جن تحقیقی مقالات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی جا رہی ہے ان میں اصول اور معیار کی شدید کمی نظر آتی ہے یہاں تک کہ تحقیق اور تنقید میں بھی کوئی تمیز نہیں کی جاتی چنانچہ اگر ایک طرف تاریخ، تذکرہ، تدوین، ترتیب، تصحیح اور تحشیہ کا کام کیا جاتا ہے تو دوسری طرف تشریح، تبصرہ اور تعبیر کا کام بھی تحقیق ہی کے نام سے انجام پا رہا ہے۔ ایسی مثالیں پیش کرنا مناسب تصور نہیں کرتا لیکن یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ اگر ایک طرف میر، سودا، قدسی اور انشاء وغیرہ کے دواوین کی تدوین و ترتیب کا کام کیا جا رہا ہے اور دبستان ہائے دلی و لکھنؤ و عظیم آباد کی شاعری کی تاریخ مرتب کی جا رہی ہے تو دوسری طرف جوش کی شاعری اور کرشن چندر کی افسانہ نگاری کی قدر و قیمت بھی متعین کی جاتی ہے۔ اور ان سب کو "تحقیق" کا نام دیا جاتا ہے اور اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ RESEARCH میں EVALUATION کا کام بھی داخل ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ EVALUATION کا کام حقیقتاً تنقید سے متعلق ہے نہ کہ تحقیق سے، لیکن اس قماش کی تاویل کی گنجائش اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اردو میں تحقیق کو ایک فن کا درجہ عطا نہیں کیا جاتا!

حقیقت یہ ہے کہ اب تک اردو میں تحقیق کو ایک فن کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اس کے قواعد و ضوابط متعین کئے گئے ہیں اور نہ اس کے تقاضوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ جس طرح اردو تنقید آج بھی تشریح و توضیح اور ذاتی تاثرات و مزعومات کے حدود سے باہر نہیں جا سکی ہے اسی طرح اردو تحقیق میں بھی اب تک انفرادی طریقہ کار کو ہی اہمیت دی جاتی ہے اور چونکہ افراد کے طریقہ ہائے کار ایک دوسرے سے مختلف اور بعض اوقات متضاد ہوتے ہیں اس لئے اردو کے تحقیقی طریقہ کار میں بھی تضاد اور انتشار کی ایک دنیا آباد نظر آتی ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ تحقیق کو ایک مستقل فن کی حیثیت نہیں دی جائے گی!

ہاں! تو یہ عرض کر رہا تھا کہ تحقیق ایک فن ہے اور تنقید سے گہرا ربط

محمد حشمت الرحمٰن خاں مختار

تضمین بر کلام غالب

کسی آرزو کہ محبت کا ماجرا کہیے
فسانۂ غم و جانسوزیٔ وفا کہیے
گذر رہی ہے جو دل پر وہ برملا کہیے
کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

حضور آپ تو رعنائیوں کے پیکر ہیں
بہار حسن کی رعنائیوں کے مظہر ہیں
کبھی ہیں تیغ کبھی رد کش گل تر ہیں
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

تمہارے حسن کی تنویر جب کو راس آئے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ اترائے
ہزار برق ستم بن کے دل کو گرمائے
وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جائے
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نصیب شوق یہ دامان تار تار تو ہے
دل و نگاہ بہر رنگ بے قرار تو ہے
جنوں کے واسطے موسم یہ سازگار تو ہے
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوت چمن و خوبیٔ ہوا کہیے

اب اور داد ستم اس سے ٹوٹنا کیا دیجے
ستمگروں کو بچے جانے کی دعا دیجے
اٹھائیں تیغ اگر وہ تو سر جھکا دیجے
رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

زمانہ تیرا مخالف بہت رہا غالبؔ
مگر نہ زیر تجھے وہ بھی کر سکا غالبؔ
جو ہونا تھا وہ بہر حال ہو گیا غالبؔ
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

رکھنے کے باوجود اس سے علحٰدہ ایک مستقل فن ہے۔ تنقید میں اصول اور معیار کے تحت کسی ادب پارہ کی جانچ پڑتال کرکے اس کی قدر و قیمت متعین کی جاتی ہے اور تحقیق میں ادب کے دفینوں کی تلاش و جستجو کی جاتی ہے، جن حقائق پر زمانہ پردہ ڈال دیتا ہے انھیں بے نقاب کیا جاتا ہے، جو واقعات ابنائے زمانہ کی بے توجہی اور عدم دلچسپی سے قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں انھیں تازہ کیا جاتا ہے، بکھرے ہوئے سرمایہ کو جمع کرکے محفوظ کیا جاتا ہے، تاریخ کی گم شدہ کڑیوں کو ڈھونڈ کر ملایا جاتا ہے اور اس طرح حال کا رشتہ ماضی سے قائم رکھنے کے لئے اپنی روایات کو زندہ کرنے کے لئے، اور اپنے ادب کے ارتقاء کی داستان میں تسلسل پیدا کرنے کے لئے ایک محقق نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ اپنے ادب کے تاریک گوشوں کو روشن کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ زمانہ کی دست برد سے جو حقائق گم ہو جاتے یا دب جاتے ہیں ان کی بازیافت اور دریافت اور انھیں منظر عام پر لانے کا نام تحقیق ہے اور اس اعتبار سے تحقیق علم وفن کی اس نوع سے تعلق رکھتی ہے جسے اصطلاح میں علم مثبت (POSITIVE SCIENCE) کہتے ہیں یعنی تحقیق کا دائرہ کار حقائق کی بازیافت و دریافت اور تنظیم و ترتیب تک محدود ہے۔ ایک محقق حقائق کو صرف بے نقاب کر دیتا ہے یا بہ الفاظ دیگر جو چیز جیسی ہوتی ہے اسے اس کی اصلی حالت میں پیش کر دیتا ہے اور بس! اس لئے کہ اس سے آگے تنقید کی سرحد شروع ہو جاتی ہے جس کا تعلق علم وفن کی اس شاخ سے ہے جسے اصطلاح میں NORMATIVE SCIENCE کہتے ہیں۔ کسی چیز کی کیا قدر و قیمت ہے؟ کون سی چیز کیسی ہے اور اسے کس طرح کا ہونا چاہیے؟ ان باتوں تعیین و تقدیر کی ذمہ داری ناقد پر ہے نہ کہ محقق پر! اس کے علاوہ ہر علم کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک نظری (THEORETICAL) اور دوسرا عملی (PRACTICAL) چنانچہ تحقیق کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کا تعلق اصول و نظریات سے ہے اور دوسرے کا عمل سے اور یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ جب تک اصول و نظریات واضح اور متعین نہیں ہوں گے اس وقت تک عمل میں کبھی وضاحت، صفائی اور قطعیت پیدا نہیں ہوگی!

اردو کے تحقیقی سرمایہ کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ شروع سے ہی تحقیق کے عملی پہلو پر زیادہ توجہ کی گئی ہے اور عملی تحقیق کی دونوں صورتوں یعنی تذکرہ و تاریخ اور ترتیب و تدوین اور تصحیح و تحشیہ کے نمونے اردو میں موجود ہیں۔ تذکرہ و تاریخ کے ابتدائی نقوش تو تذکروں ہی میں مل جاتے ہیں چنانچہ قدیم تذکروں میں نکات الشعراء اور تذکرہ شورش سے لے کر خم خانۂ جاوید اور سخن شعرا تک اور جدید تذکروں میں طبقات الشعراء سے لے کر شعر الہند تک میں اس کے نشانات موجود ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو میں ادبی تحقیق کی اس نوعیت نے خاص ترقی حاصل کی ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہوا ہے چنانچہ اس میں فنکاروں کے سوانح حیات، ایک دور یا تمام ادوار کی سرگذشت، ایک صنف ادب یا تمام اصناف ادب کی نشو و ارتقاء وغیرہ سب ہی شامل ہیں اور ان کے اچھے نمونے بھی مل جاتے ہیں، مثال کے طور پر۔ زندگانی بے نظیر، از عبد الغفور شہباز، یادگار غالب از حالی، سودا از شیخ چاند مرحوم، میر حیات اور شاعری از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، دلی کا دبستان شاعری از ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، لکھنؤ کا دبستان شاعری از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، صوبہ بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء از ڈاکٹر اختر اورینوی، اردو مثنویات کا ارتقاء از ڈاکٹر عبد القادر سروری، اردو رباعیات از ڈاکٹر سلام سندیلوی، داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری مرحوم وغیرہ اپنی چند خامیوں کے باوجود اس نوع تحقیق کے قابل قدر نمونے ہیں۔ اسی طرح عملی تحقیق کی دوسری نوعیت یعنی ترتیب و تدوین اور تصحیح و تحشیہ کا کام بھی ہوا ہے اور اس کا سراغ بھی آج سے بہت پیش تر مل جاتا ہے چنانچہ حاتم کے دیوان زادہ سے قطع نظر کر لینے کے باوجود محمد حسین آزاد کے عہد سے اس کے آثار مل جاتے ہیں، خود محمد حسین آزاد نے ذوق کا دیوان مرتب کیا ہے اور اسی عہد میں عبد الغفور شہباز نے کلیات نظیر اکبر آبادی کی ترتیب و تدوین کا کام بہت ہی سلیقے سے انجام دیا ہے۔ اس طرح دیوان ذوق اور کلیات نظیر سے لے کر کربل کتھا اور دیوان غالب نسخۂ عرشی تک بے شمار کتابیں مرتب و مدون کی گئی ہیں اور ان کے متون کی تصحیح کا کام بھی ہوا ہے لیکن تحقیق کے نظری پہلو سے بہت بے اعتنائی برتی گئی ہے چنانچہ تحقیق کے اصول و نظریات اور قواعد و ضوابط کی ترتیب و تنظیم کی طرف اب تک توجہ نہیں کی گئی ہے یوں قاضی عبد الودود، امتیاز علی عرشی اور ڈاکٹر نذیر احمد وغیرہ نے چند مقالے ضرور لکھے ہیں اور حال ہی میں ڈاکٹر خلیق انجم نے تصحیح متن کے موضوع پر متنی تنقید کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو چند خامیوں کے باوجود اپنے موضوع پر ایک قابل قدر تالیف ہے لیکن ان چند مقالوں اور دو ایک کتاب سے اس موضوع کا حق ادا نہیں ہوتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ تحقیق کے نظری پہلو پر باقاعدہ طور پر توجہ دی جائے اور اس کے اصول و مبادی متعین کئے جائیں تاکہ تحقیق کا کام کسی ضابطہ اور قاعدہ کے تحت انجام دیا جائے اور اردو میں تحقیق ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر سکے!

مراسلات

غالب کے بارے میں

گاندھی جی اور غالب کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبوں کے موقعوں پر ان دونوں ہستیوں سے متعلق تصنیفوں کی ایک باڑھ سی آگئی ہے۔ غالب سے متعلق تصنیفوں کے بارے میں یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ ان تصنیفوں میں طبعزاد شاید ایک یا دو ہوں گی اس لئے کہ غالب پر یوں تو پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اب اتنی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی نیا تحقیقی کام غالب کی زندگی کے نئے گوشوں کو روشن کرے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی لکھا جائے گا اس میں زیادہ تر ادھر ادھر سے خوشہ چینی ہی ہوگی اور تالیفی کام زیادہ ہوگا۔

نیا طبعزاد کام تو تب ہوگا جب غالب کے متعلق آج کے آزاد ہندوستان کے پس منظر میں یہ بتایا جائے کہ وہ ہندوستان کی فکر اور یہاں کی دیومالاؤں سے واقف تھا اور اس کی اس قسم کی واقفیت کے فلاں فلاں شواہد موجود ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ اس نے فیضی بھائیوں کے فارسی تراجم سے استفادہ کیا تھا یا اپنے فلاں فلاں ہم عصر ادیبوں کی محفلوں میں اس قسم کی بحثیں ہوتی تھیں غرض بتایا یہ جائے کہ باوجود اس کے کہ غالب فارسی ادبیات سے زیادہ وابستہ اور مانوس رہتے، وہ ہندوستان کے فلسفے، یہاں کے انداز فکر اور تہذیبی دھارے سے بھی ذہنی لگاؤ رکھتا تھا۔ ایک دانشور ادیب اور فنکار کی حیثیت سے اس میں وہ رعونت اور کبر و نخوت نہ تھی جو اس زمانے کے اور بعد کے بگڑے ہوئے امراء اور شرفاء میں پائی جاتی تھی۔ صداقت و اظہار ادیب کا ایمان ہوا کرتا ہے۔ غالب جھوٹے وقار کا کبھی قائل نہیں رہا اس نے اپنی اقتصادی بدحالی من و عن بیان کی اور کسی بات کی چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ غالب کی عظمت کا راز یہی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس طرح بنگال میں رام موہن رائے نے نشاۃ ثانیہ (سماجی اور سیاسی میدان میں) کی علمبرداری کی اس طرح دلی میں غالب نے ادبی اور فکری میدان میں نشاۃ ثانیہ کی دوسری کڑی کی داغ بیل ڈالی کیونکہ ہندوستان کی وسعت اور ذرائع نقل و حمل اور آمد و رفت کی کمی کی وجہ سے علاقائی نشاۃ ثانیہ ہی ممکن تھی۔ غالب نے تصوف کی بے عملی اور اس کے کھوکھلے پن کا پہلی بار شک کی نظر سے مشاہدہ کیا اور کہا:

"حیران ہوں مشاہدہ ہے کس حساب میں"

یہ کام سچا ادیب ہی کر سکتا تھا جس کا ایمان انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ کرکے اپنی قوت متخیلہ سے ادبی تصویر کشی کرنا ہوتا ہے۔

غرض غالب کا بچپن اس آگرہ میں گزرا جہاں جہانگیر کے زمانے تک ہندوستان میں اکبر کی رائج کردہ رواداری فروغ پاتی رہی۔ خسرو کی دلی میں اگر ہندوستان کے فن موسیقی اور اس سے متعلق دستکاری نے اور ایک نئی زبان نے فروغ پایا تو آگرہ میں ہندوستانی فلسفے اور ادب نے نئے روپ میں جنم لیا اور اس دھارے کا جاننے والا غالب ہی تھا جس نے دلی جاکر آگرے اور دلی کے دونوں تہذیبی دھاروں کو ملا دیا۔

غالب کو اگر اس طرح پیش کیا جائے تب تو کوئی نئی بات ہوگی ورنہ وہی چبے چبائے نوالے ہوں گے۔ ایران کے جدید فارسی ادب میں، زبان اور ادب کی تاریخ میں ممکن ہے غالب کو جگہ دی گئی ہو۔ وسط ایشیا کی روسی جمہوریتوں کے فارسی ادب میں ممکن ہے غالب کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اس ضمن میں اگر انجمن ترقی اردو معلومات فراہم کرنے کی زحمت گوارا کرے تو ایک بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی۔

(امیر محمد خاں جامعی)

غالب سے متعلق ایک حویلی کے بارے میں

مرزا غالب نے اپنے ایک خط مطبوعہ اردوئے معلی بنام منشی شو نارائن میں آگرے کی جائداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھی چند نے مول لی ہے اس کے دروازہ کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اس کے ایک کھٹیا والی حویلی اور سلیم شاہ کے تکیہ کے پاس دوسری حویلی اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اس سے آگے بڑھ کر ایک کٹرہ کہ وہ گدڑی والا مشہور تھا اور ایک کٹرہ کہ وہ کشمیری والا کہلاتا تھا اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اڑاتا تھا اور راجہ بلونت سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔

جس کشمیرن والے کٹرہ کا مرزا غالب نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے اس کا حالیہ نام کشمیری بازار ہے۔ اسی کشمیری بازار میں ایک بہت بڑی حویلی "چوکیوں والی حویلی" کے نام سے موسوم تھی جس میں باہری رخ پر دو سنگین چوکیاں دربانوں کی نشست کے لئے بنی ہیں۔ اس حویلی میں میرے پھوپھا حکیم سید راحت علی صاحب رہتے تھے اور یہ ان کی موروثی جائداد تھی۔

میرا خیال ہے کہ کشمیرن والے کٹرے کے جس کوٹھے پر غالب پتنگ اڑاتے تھے یا راجہ بلونت سنگھ جس حویلی سے پتنگ لڑاتے تھے چوکیوں والی حویلی ان میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

کیا کوئی صاحب اس حویلی سے متعلق یہ واقفیت عنایت فرمائیں گے کہ دراصل یہ حویلی کس نے بنوائی تھی کب بنی تھی اور کس طرح حکیموں کے خاندان میں منتقل ہوئی اور اس کا تعلق

غالب کی بتائی ہوئی عمارتوں سے ہے بھی یا نہیں۔
آج کل یہ حویلی کس کے قبضے میں ہے اور اس میں کون رہتا ہے۔　　(خاور جبل پوری)

دیوانِ غالب اور اہلِ تحقیق

ہماری زبان ۸ رجنوری کی اشاعت میں جناب ڈاکٹر ابو محمد سحر نے "دیوانِ غالب، اپریل فول اور اہلِ تحقیق" کے عنوان سے جو مضمون سپردِ قلم فرمایا ہے۔ وہ تحسین حاصل کے سوا کسی افادیت کا حامل نظر نہیں آتا۔ بقول سحر صاحب جب "مالک رام صاحب اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرچکے ہیں اس سے تی نفسہ یہ معاملہ خارج از بحث ہے۔" سحر صاحب اس بہانے اردو تحقیق کے معیار اور طریق کار کی کوتاہی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں مگر اس مضمون کی حد تک تو بات نہ تو غالب کی مفروضہ غزل سے آگے بڑھی اور نہ ہی مالک رام صاحب کے "گناہ کبیرہ" پر تنقیص سے پیچھے ہٹی۔

ڈاکٹر گیان چند صاحب کے مضمون "غالب اور بھوپال" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جناب مالک رام صاحب نے جو کچھ لکھا تھا اس کا ایک اقتباس جناب سحر صاحب نے اپنے اس مضمون میں پیش کیا اور لکھا ہے کہ "لکم دینکم ولی دین" کے لفظی معنی ہیں واسطے تمہارے تمہارا دین اور واسطے میرے میرا دین معلوم نہیں اس فقرے (لکم دینکم ولی دین) کے استعمال سے مالک رام صاحب کا کیا منشا ہے۔ کیونکہ ان کا اور ڈاکٹر گیان چند صاحب کا دین تو ایک ہی تھا۔ میری مراد دینِ تحقیق سے ہے اور اس غزل کے سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے اختلاف دین کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔

قطع نظر اس سے کہ جناب مالک رام صاحب "لکم دینکم ولی دین" کے لفظی معنی جانتے تھے یا اس کے علم کے لئے سحر صاحب کے وہ زیر بار احسان ہیں "قابلِ غور بات" "دینِ تحقیق" کی تخلیق ہے۔ کہاں ڈاکٹر گیان چند صاحب کے لب و لہجہ سے متعلق جناب مالک رام صاحب کا لکم دینکم ولی دین کہنا اور کہاں دینِ تحقیق کا شاخسانہ۔ معلوم نہیں جناب سحر صاحب خود کسی مغالطہ کا شکار رہیں یا وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ جناب سحر صاحب نے اپنے اس مضمون میں جناب مالک رام صاحب کے مضمون کا جو اقتباس دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ویسے انھیں (مالک رام صاحب کو) ڈاکٹر گیان چند صاحب کا لب و لہجہ پسند نہیں مگر انھیں اس کی شکایت بھی نہیں "لکم دینکم ولی دین" جناب گیان چند صاحب کو اپنا لب و لہجہ مبارک مگر میرا اندازِ بیان کچھ اور ہے۔ اس میں "دینِ تحقیق" کی ایجاد کا کوئی قرینہ ہی موجود نہیں اور جبکہ جناب سحر صاحب خود ہی پہلے لکھ آئے ہیں کہ جناب مالک رام صاحب اس غزل سے متعلق اپنی غلطی تسلیم کرچکے ہیں تو پھر اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایک طرف تو جناب مالک رام صاحب اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف ڈاکٹر گیان چند صاحب سے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی تحقیق بھی صحیح ہوسکتی ہے مگر میری تحقیق بھی غلط نہیں۔　　(عبدالوہاب تسنیم)

غالب کے شاگرد

"ہماری زبان" کے ۱۵ رجنوری ۱۹۶۹ء کے شمارہ کے ذریعہ یہ علم ہوا کہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ رام گلی نمبر ۳۔ لاہور (مغربی پاکستان) نے غالب کے ایسے شاگردوں کے نام اور حالات فراہم کرنے کی مہم شروع کی ہے جن کا ذکر جناب مالک رام صاحب کی بلند پایہ کتاب "تلامذہ غالب" میں نہیں ہے۔

میں اس ضمن میں یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میرے والد مرحوم جناب سید شاہ عبدالعزیز آزاد مرحوم کے قریبی رشتہ دار اور استاد جناب سید شاہ باقر حسین باقر بیر بگھوی مرزا غالب کے ایک ایسے شاگرد تھے جن کا فارسی دیوان "دیوانِ باقر" کے نام سے ان کے خلف الرشید جناب حافظ عطاء الرحمٰن صاحب مرحوم نے مکمل حالاتِ زندگی کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں حیدرآباد سے شائع کیا تھا اس کا ایک نسخہ میرے عم زاد جناب سید ابوالخیر موضع بیر بگھیہ ڈاکخانہ چاکند۔ ضلع گیا (بہار) کے پاس موجود ہونا چاہئے اس لئے موصوف سے خط و کتابت کے ذریعہ حضرت باقر بیر بگھوی کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(قیصر عثمانی بی۔۲۰ جواہر اپارک
ملاڈ (ویسٹ) بمبئی ۶۴)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

غالب صدی کی تقریبات کی تفصیلات

دہلی ۱۔ راجدھانی میں غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں جملہ تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں ان تقریبات کا آغاز ۱۵ فروری سے ہو رہا ہے۔ غالب کمیٹی کے سکریٹری جناب فخرالدین علی احمد مرکزی وزیر صنعتی ترقیات کی زیر نگرانی تمام پروگراموں کی تیاریاں عمل میں آئی ہیں ۱۵ فروری کو افتتاح تقریب غالب کمیٹی دہلی کے تحت ہو چکی ہے دوسرے پروگرام جن کا سلسلہ ۲۲ فروری تک جاری رہے گا۔ آل انڈیا کمیٹی کے زیر اہتمام ہوں گے ۱۵ فروری کو مزار غالب پر فاتحہ خوانی اور گل پاشی کے بعد ساڑھے تین بجے سے عرس محل میں تقریب ہوگی۔ نائب صدر جمہوریہ ہند جناب وی وی گری اس کا افتتاح کریں گے اور ڈاکٹر تاراچند صدارت فرمائیں گے۔ اس پروگرام میں ملک کے مشہور موسیقار غالب کی غزلیں پیش کریں گے دوسرے پروگراموں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۶ فروری اتوار صبح ۱۰ بجے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین غالب صدی تقریبات کا آغاز کریں گے یہ تقریب وگیان بھون میں ہوگی۔ مسز گاندھی صدر جمہوریہ سے تقریبات کے افتتاح کی درخواست کریں گی۔ اس موقع پر صدر جمہوریہ ہند بین الاقوامی سیمینار میں حصہ لینے والے اسکالروں کو خلعتیں پیش کریں گے۔ ۴ بجے شام کو وگیان بھون میں غالب نمائش کا افتتاح وزیر اعظم مسز گاندھی فرمائیں گی۔ ۶ بجے شام کو سپرو ہاؤس میں سنگیت اکیڈمی کے تحت تقریب ہوگی اور شب میں ۹ بجے سپرو ہاؤس میں کوی سمیلن ہوگا۔ ۱۷ فروری پیر کے ڈاک خانے نئی دہلی میں صبح پونے دس بجے غالب یادگاری ٹکٹ جاری کیا جائے گا۔ نائب وزیر اعظم جناب مرارجی ڈیسائی ٹکٹ ریلیز کریں گے۔ ۱۲ بجے دن میں وگیان بھون میں بین الاقوامی سیمینار ہوگا قاضی عبدالودود صدارت کریں گے۔ شام کو تین بجے سے اے۔ آئی۔ ایس۔ سی۔ اے۔ ایس میں ڈرامہ ہوگا۔ ۱۸ فروری منگل۔ صبح ۱۰ بجے سے سیمینار، شب میں ساڑھے ۸ بجے سے۔ ۱۹ فروری بدھ۔ سیمینار اور شب میں تمثیلی مشاعرہ، یہ مشاعرہ انڈین پیپلز تھیٹر بمبئی کی طرف سے ہوگا۔ اس میں نرگس، سنیل دت، وجینتی مالا، دلیپ کمار، بلراج ساہنی، راجندر کمار، نمی، ثریا، جانی واکر، تنا شنگھ، محمد رفیع، طلعت محمود، نوشاد اور دوسرے فلمی اداکار حصہ لیں گے۔ ۲۰ فروری جمعرات۔ آزاد بھون میں وزیر تعلیم ڈاکٹر ترگن سین کتابیں ریلیز کریں گے۔ ۶ بجے شام کو دہلی کارپوریشن کی طرف سے استقبالیہ ہوگا۔ ۹ بجے شام کو دہلی آرٹ تھیٹر غالب پر ایک موسیقی فیچر ہوگا۔ ۲۱ فروری جمعہ غالب اکیڈمی کا افتتاح ساڑھے تین بجے سے ۴ بجے۔ صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی طرف سے استقبالیہ۔ ساڑھے ۸ بجے شب میں شمع غزل سرکردہ موسیقار حصہ لیں گے یہ تقریب لال قلعہ میں ہوگی۔ ۲۲ فروری ہفتہ سفارت خانہ ایران کی طرف سے تقریب ساڑھے ۱۰ بجے دن، رات میں ۹ بجے لال قلعہ میں مشاعرہ۔ غالب اکیڈمی (ایوان غالب) کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ اسی سال مکمل ہوگا اور دوسرے مرحلہ میں تمام عمارت ایئر کنڈیشنڈ ہوگی۔ اس میں سات سو سیٹوں کا ہال تعمیر ہوگا۔ اس کے علاوہ لائبریری، ریسرچ روم اوپن ایئر آڈیٹوریم اور دوسرے کمرے ہوں گے۔ (الجمعیۃ)

غالب یادگار عمارت نئی دہلی میں تعمیر کی جائے گی

نئی دہلی: حکومت ہند نے غالب (صدی) تقریبات کے لیے ۲۰ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ ۲۰ لاکھ روپے کی لاگت سے مرزا غالب کی یادگار غالب صدی تقریبات کمیٹی نئی دہلی میں ارون اسپتال کے عقب میں قائم کرے گی۔ غالب یادگار عمارت مستطیل نما دو منزلہ ہوگی جس میں ایک مکان اور ایک لائبریری بھی ہوگی جس میں غالب کی تمام تصنیفات اور مرزا غالب پر لکھی گئی تمام کتابیں، رسائل مضامین، تصاویر اور دوسری نوادرات ہوں گی۔ اس لائبریری میں تقریباً دس ہزار کتابیں جمع کی جائیں گی۔ غالب فنڈ غالب صدسالہ تقریبات پر صرف کیا جائے گا۔ غالب یادگار ۹ ۱/۲ ایکڑ زمین کے ایک پلاٹ پر قائم کی جائے گی۔ لائبریری میں غالب پر ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں میں کتابیں رسائل اور مضامین جمع کئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ تصویریں مرزا غالب کے مخطوطوں کی عکسی کاپیاں بھی اس میں رکھی جائیں گی۔ مرزا غالب کے معاصرین، تلامذہ اور ان کے عہد کے بارے میں ایک علیحدہ سیکشن ہوگا۔ اور ہندوستانی زبانوں میں غالب پر کام کو اس میں محفوظ کیا جائے گا۔ غالب یادگار عمارت ایئر کنڈیشنڈ ہوگی اور غالب پر تحقیق کرنے والوں کی رہائش کا بھی انتظام ہوگا۔

اس عمارت میں ایک غالب ہال ہوگا جس میں سات سو آدمیوں کی گنجائش ہوگی اور ایک اوپن ایئر تھیٹر بھی ہوگا جس میں پانسو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوگی۔ (قومی آواز)

لندن میں مرزا غالب کی صدسالہ برسی منائی جائے گی

لندن۔ انجمن اردو لندن نے اردو کے ممتاز شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب کو ان کی صدسالہ برسی کے موقع پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے مجلس مذاکرہ، شام غزل اور کل انگلستان مشاعرہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجلس مذاکرہ ۲۸ فروری بروز جمعہ ۶ بجے شام اسلامک کلچرل سنٹر لندن میں منعقد ہوگی، جناب افضل اقبال صاحب صدارت کریں گے، رالف رسل صاحب (صدر شعبۂ اردو لندن یونیورسٹی)، ڈاکٹر خورشید الاسلام (علی گڑھ یونیورسٹی)، ڈاکٹر سید شاہ علی (کراچی یونیورسٹی)، ایس۔ ایم۔ امیر امام اور ڈاکٹر

سید اطہر عباس رضوی (آسٹریلین نیشنل یونی ورسٹی، کینبرا) تقاریر کریں گے۔ شام غزل ۱۵؍فروری بروز ہفتہ کنوے ہال ریڈ لائن اسکوائر لندن میں منعقد ہوگی جس میں غالب کا کلام مختلف فنکار پیش کریں گے۔ ڈاکٹر سید مزمل علی مہمان خصوصی ہوں گے کل انگلستان طرحی مشاعرہ ۱۶؍فروری بروز اتوار اسلامک کلچرل سینٹر لندن میں زیرِ صدارت ڈاکٹر سید شاہد صاحب منعقد ہوگی۔ اس مشاعرہ میں خاص طور سے جناب قزلباش اور سید نذیر حسین صاحب بھی شرکت کریں گے۔ جناب س۔ م۔ شاہ جنرل سکریٹری انجمن اردو (لندن) نے انگلستان میں اردو بولنے والے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ انگلستان کے مختلف شہروں میں غالب کے شایانِ شان پروگرام بنا کر اظہارِ عقیدت پیش کریں۔ (نائب سکریٹری)

روس میں غالب صدی تقریبات

۱۵؍فروری ۱۹۶۹ء کو دنیا کے بڑے بڑے تہذیبی مراکز پر عظیم شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی صد سالہ برسی منائی جائے گی۔ غالب جوبلی تیاری کمیٹی جو گزشتہ ایک سال سے کام کر رہی ہے یہ کمیٹی سوویٹ یونین کی سائنس اکاڈمی کے ادارہ ایشیائی اقوام کے ڈائرکٹر بی۔ جی۔ غفوروف کی نگرانی میں قائم کی گئی تھی اس کمیٹی میں ماسکو، تاشقند، اور دوشنبے کے اسکالر شامل ہیں جو غالب کی زندگی اور تخلیقات کے مطالعہ میں مصروف ہیں ان کے علاوہ مشہور ازبک شاعرہ زلفیہ اور تاجک شاعر مرزا ترسون زادے اور کئی ممتاز شعراء اور اہلِ علم اس کمیٹی کے رکن ہیں۔ اس سال کے دوران ماسکو، تاشقند سمرقند اور دوشنبہ میں غالب کی زندگی اور شاعری کے بارے میں سوویت اور بیرونی علماء، ادیبوں اور شاعروں کے مضامین کے مجموعے شائع کئے جائیں گے۔ غالب کی بہترین غزلوں کا جو ایک سال قبل اردو اور فارسی میں لکھی گئی ہیں روسی، تاجک اور ازبک زبانوں میں ترجمہ کیا جائے گا۔ غالب کے منتخب کلام کا پہلا ایڈیشن ماسکو میں شائع کیا جائے گا۔ اس ایڈیشن میں دو ہزار سے زائد اردو اور فارسی اشعار ہوں گے ان کا روسی ترجمہ بھی شامل رہے گا۔ اس انتخاب کے کئی ہزار نسخے چھاپے جائیں گے۔

چیکوسلوکیہ میں غالب صدی تقریبات کا اعلان

پراگ۔ ہندوستان کے اردو و فارسی کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کی صد سالہ برسی چیکوسلوواکیہ میں اس برس موسم بہار میں منائی جائے گی۔ یہ صد سالہ برسی چیکوسلوواکیہ کی یونیسکو کمیشن کے زیر اہتمام منائی جا رہی ہے اور اس میں چیکوسلوواکیہ ہند سوسائٹی اور چیکوسلوواک سائنس اکیڈمی کا اورینٹل انسٹی ٹیوٹ تعاون کر رہے ہیں۔ اس برس موسم بہار میں چیکوسلوواکیہ میں یہ جشن مختلف طریقوں سے منایا جائے گا۔ پراگ کے موسیقی کے تھیٹر میں شام غالب منائی جائے گی جس میں ان کی تصانیف اور ان کی زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی۔ پراگ ریڈیو سے مرزا غالب کی شاعری اور موسیقی کا پروگرام پندرہ منٹ کے لئے نشر کیا جائے گا۔ چیکوسلوواک ٹیلی ویژن پروگرام میں ہفتہ غالب کی جھلک پیش کی جائے گی۔ ڈاکٹر یان ماریک کا لکھا ہوا ایک قدرے طویل مضمون چیکوسلوواکیہ کے مقبول رسالہ "نیو اورینٹ" میں شائع ہوگا۔ پراگ کے ایک بڑے ادبی رسالے میں غالب کی اردو شاعری پر مضمون شائع ہوگا۔ اور اس کے ہمراہ ان کی شاعری کے چیک زبان میں ترجمہ کے نمونے بھی شائع ہوں گے۔ دیوان غالب کی غزلیات منتخب کی جائیں گی اور محترمہ ملینا ہیسنچ فودا ان کا ترجمہ کر کے اشاعت کے لئے تیار کریں گی۔ (الجمعیۃ)

بہار میں غالب کی صد سالہ تقریب منانے کی تیاریاں

پٹنہ: بہار میں اردو کے مداح مارچ کے مہینہ میں غالب کی صد سالہ تقریب منائیں گے۔ بہار کی غالب کمیٹی اس شاعر کی لکھی ہوئی کتابوں اور دوسرے مسودات کی نمائش کا بھی بندوبست کرے گی۔ اس دوران غالب کی تخلیقات پر مشتمل ایک کتاب بھی چھاپی جائے گی۔ (الجمعیۃ)

پٹنہ یونی ورسٹی میں شام غالب کی تیاری

غالب صد سالہ تقریبات کمیٹی شعبہ اردو یونی ورسٹی پٹنہ کے زیر اہتمام شام غالب پٹنہ یونی ورسٹی کے سینٹ ہال میں منعقد ہوگی۔ اس مشاعرہ میں صرف دو طرح کے کلام پیش کئے جائیں گے۔ غزلیں جن میں غالب کے مصرعوں کی تضمین رکھی گئی ہے اور وہ نظمیں جو مرزا غالب پر کہی گئی ہوں یا غالب سے متعلق ہوں۔ (الجمعیۃ)

کلکتہ کارپوریشن اردو ٹیچرز سوسائٹی کے زیر اہتمام
غالب صدی تقریب

کلکتہ: کلکتہ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے شری شنکا ساتین کے خوبصورت ہال میں غالب صد سالہ برسی کی تقریبات کے موقع پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ غالب اور ٹیگور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غالب بین الاقوامی شاعر ہے۔ کلکتہ کارپوریشن اردو ٹیچرز سوسائٹی کے زیر اہتمام ۲۲ اور ۲۳؍جنوری ۱۹۶۹ء کو غالب کے صد سالہ جشن کی تقریبات منائی گئیں۔ پہلے روز ادبی اور ثقافتی پروگرام ہوا اور دوسرے روز مشاعرہ منعقد ہوا۔ ثقافتی پروگرام کا آغاز غالب کی غزل سے ہوا۔ اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے غالب کی غزلوں کو بنگلہ میں ترجمہ کرنے پر شری گنگا اپادھیا کو "فخر غالب"، قاضی عبدالودود صاحب کو "محسن غالب" اور ڈاکٹر پارن چندر پال کو "غالب شناس" کے خطابات

عطا کئے جو سوسائٹی کی جانب سے دئے گئے۔ انھوں نے مزید کہا جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے وائس چانسلر نے انھیں غالب کا ایک پورٹریٹ عطیہ دیا تھا جو کہ بہت جلد کلکتہ یونی ورسٹی میں لگایا جائے گا پھر ادبی پروگرام میں مقالات کا دور شروع ہوا جس میں اردو، بنگلہ اور ہندی میں مقالے پڑھے گئے۔

رفاہ عام لکھنؤ میں ۵ لاکھ کی لاگت سے "ادارہ غالب" کی تعمیر کا منصوبہ

لکھنؤ۔ عظیم اردو شاعر غالب کی یادگار کے سلسلے میں لکھنؤ کے رفاہ عام کلب میں تقریباً ۵ لاکھ روپے کی لاگت سے "ادارہ غالب" کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی جائے گی جس کا سنگ بنیاد ریاستی گورنر ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی ۱۵ر فروری کو رکھیں گے۔ یہ انکشاف یہاں غالب صدی تقریبات کمیٹی اترپردیش کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر ایم ایم سدھو نے پریس کلب میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے بتایا کہ رفاہ عام ایسوسی ایشن نے "ادارہ غالب" کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ آراضی کی منظوری کی اطلاع کمیٹی کو دے دی ہے اس عمارت کی تعمیر پر چار پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوگا۔ اس سلسلہ میں اس وقت تک ڈھائی لاکھ روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ پریس کلب میں اس موقع پر مرکزی غالب کمیٹی کے نائب صدر اور ممبر پارلیمنٹ پنڈت آنند نرائن ملا بھی موجود تھے جنھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ مرکزی حکومت غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں بالکل اسی طرح امداد دے رہی ہے جس طرح رابندر ناتھ ٹیگور کے سلسلے میں دی تھی انھوں نے کہا کہ غالب کی یاد ایک قومی شاعر کی یاد کی حیثیت سے منائی جا رہی ہے۔ (قومی آواز)

لکھنؤ یونی ورسٹی میں جشن غالب کا افتتاح

لکھنؤ۔ لکھنؤ یونی ورسٹی میں مرزا غالب صدی تقریبات کے جشن کا آغاز ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی صدر شعبہ اردو و فارسی کی مرزا غالب کے فن اور شخصیت پر تقریر سے ہوا۔ جشن غالب کا افتتاح کرتے ہوئے وائس چانسلر لکھنؤ یونی ورسٹی نے غالب پر تحقیق کام کرنے پر زور دیا۔ وائس چانسلر نے مرزا غالب کی شاعری اور ان کے نظریات سے بحث کی۔ جلسہ کا آغاز مرزا غالب کی اردو فارسی غزلوں سے ہوا۔ اور مرزا غالب کا قطعہ "اے تازہ واردان بساط ہوائے دل" کا انگریزی میں ترجمہ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نرش چندر ریڈر شعبۂ انگریزی نے اپنے انگریزی مقالے میں جدید تنقید کی روشنی میں مرزا غالب کے کلام سے بحث کی اور اس بات پر زور دیا کہ "مرزا غالب کے کلام کو جدید تنقید کی روشنی میں جانچا جائے تاکہ کلام غالب کے بہت سے تاریک گوشوں تک اہل ادب کی نظریں پہونچ سکیں۔" (قومی آواز)

الہ آباد یونی ورسٹی میں غالب کے جشن صد سالہ کی تقریبات

الہ آباد۔ الہ آباد یونی ورسٹی کی آل انڈیا غالب سنٹنری کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی جس کی صدارت پروفیسر سید احتشام حسین نے فرمائی۔ میٹنگ میں اتفاق رائے سے طے پایا کہ غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں ۲۰ر فروری سے ۲۰ر مارچ ۱۹۶۹ء کے درمیان مختلف تقریبات کا اہتمام کیا جائے۔ کمیٹی کے سرپرست اودھ بہاری لال وائس چانسلر اور کنوینر پروفیسر سید احتشام حسین صدر شعبۂ اردو ہوں گے۔ پروفیسر سید احتشام حسین نے ان تقریبات

کے انعقاد کے سلسلہ میں مختلف پروگراموں کی توضیح کی اور یہ بھی بتایا کہ گو یہ ساری تقریبات یونی ورسٹی کے زیر اہتمام ہو رہی ہیں شعبۂ اردو بھی طلبہ کے لیے مختلف مقابلوں اور انعامات کا اہتمام کر رہا ہے۔ شعبہ کی میگزین مرزا غالب کے لئے وقف کر دی گئی ہے، جس میں صرف یونی ورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کے مضامین ہوں گے۔ الٰہ آباد یونی ورسٹی غالب سنٹنری کمیٹی کے زیر اہتمام حسب ذیل پروگرام ہوگا۔ (۱) مجلس مذاکرہ: جس میں اردو، ہندی، انگریزی، تاریخ، لسانیات وغیرہ کے علما حصہ لیں گے۔ عنوان "ادب اور قومی یکجہتی (ہندوستانی زبانوں کے خصوصی حوالے سے)" (۲) بزم مقالات: جس میں غالب کی حیات و شاعری پر مقالے پڑھے جائیں گے۔ شعبۂ اردو کے اساتذہ اور مختلف ادبا و مصنفین حصہ لیں گے۔ (۳) شام غالب: اس تہذیبی پروگرام میں غالب سے متعلق ایک فیچر پیش کیا جائے گا اور مختلف گلوکار غالب کی غزلیں پیش کریں گے۔ (۴) شب شاعرہ: جس میں شعرائے کرام اپنی تخلیقات پیش کریں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ لکھنؤ، حیدرآباد اور دہلی کے شعرا بھی شریک ہوں گے۔ (ڈاکٹر جعفر رضا)

دہلی یونی ورسٹی میں غالب کے جشن صدسالہ کی تقریبات

فروری ۱۹۶۹ء میں عالمی ادب کے معروف و ممتاز شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کا جشن صدسالہ منایا جا رہا ہے۔ اس سال نظام خطبات کے دو لیکچر غالب کی شخصیت اور شاعری کے لئے وقف ہوں گے۔ یہ خطبات ۱۳ اور ۱۴ فروری ۱۹۶۹ء کو اردو کے مشہور و مستند نقاد اور صاحب طرز ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ عنایت فرمائیں گے۔ غالب کی کی تصویر جو ان کی اصل شبیہ سے بہت مشابہ ہے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے دہلی یونی ورسٹی کو ۲۲ فروری سنہ ۱۹۶۹ء کو ایک خصوصی جلسے میں پیش کی جائے گی۔ غالب کی یہ روغنی تصویر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جناب ذکی صاحب کی بنائی ہوئی ہے۔ اس کی نقاب کشائی ڈاکٹر ذاکر حسین امیر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور وزیٹر دہلی یونی ورسٹی فرمائیں گے۔ اور اس کے بعد یہ تصویر ہال میں نصب کی جائے گی۔ دہلی یونی ورسٹی کے شعبہ اردو نے انگریزی میں غالب کا توضیحی اشاریہ تیار کیا ہے یہ کام حکیم عبدالحمید صاحب دہلی کی مالی امداد سے سر انجام دیا گیا ہے۔ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی اپنے تحقیقی رسالے اردوئے معلی کی ایک اشاعت غالب کے لئے مخصوص کر رہا ہے شعبۂ اردو عہد غالب کے عنوان سے بھی ایک کتاب شائع کر رہا ہے جو نایاب اور کمیاب ماخذوں پر مبنی ہوگی۔ شعبۂ اردو غالب کی نظم و نثر کا ایک جامع انتخاب شائع کر رہا ہے۔ غالب کے انتخاب کا ایک ایسا خوبصورت اور دیدہ زیب ایڈیشن بھی شائع کیا جائے گا۔ جو غیر ملکوں میں ہندوستانی سفارت خانوں کے لئے کارآمد ثابت ہو سکے۔ (سکریٹری)

تبصرہ

عتیق احمد صدیقی

فروغ اردو غالب نمبر

منتظم اعلیٰ: پروفیسر سید احتشام حسین

مجلس ادارت: محمد حسین شمس علوی، حکیم عبدالقوی دریابادی

قیمت: پندرہ روپے، کتابت و طباعت اوسط

ملنے کا پتہ: ادارہ فروغ اردو لکھنؤ

۱۹۶۹ء کو غالب صدسالہ برسی کا سال منانے کا ملک گیر فیصلہ ہوا تو افراد، اداروں اور جماعتوں نے اس کے لئے پروگرام بنائے۔ کہیں مختصر، کہیں بھاری بھرکم، کہیں محض "بقدر لب و دنداں" اور کہیں اپنی استطاعت سے بڑھ چڑھ کر۔ ان کے لئے تیاریاں شروع ہوئیں، کہیں مخفی اور کہیں بالاعلان۔ فروری کا مہینہ شروع ہو گیا اور اب مختلف مقامات پر یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔

قابل مبارکباد ہیں ارباب ادارۂ فروغ اردو کہ انھوں نے ۱۹۶۸ء ختم ہوتے ہوتے فروغ اردو کا ضخیم غالب نمبر مکمل کر کے شائع کر دیا۔ مجلد کی ضخامت خود ارباب ادارہ کی جرات مندی کا ثبوت ہے۔ ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل یہ نمبر گلہائے رنگا رنگ سے مزین ہے۔ پروفیسر سید احتشام حسین صاحب نے صحیح لکھا ہے: "اس میں جو مضامین لکھے گئے ہیں وہ مختلف سطح اور مختلف معیار ہی کے نہیں بلکہ مختلف زاویہ ہائے نظر کا پتہ دیتے ہیں۔ ان کے لکھنے والوں میں نئے بھی ہیں پرانے بھی، محقق بھی ہیں نقاد بھی، شاعر بھی ہیں عام قاری بھی، استدلالی انداز رکھنے والے بھی ہیں تاثراتی بھی، لذت کام و دہن کے جویا بھی ہیں رگوں میں زہر غم کا اثر دیکھنے والے بھی، غالب کی زندگی اور شاعری اسی تنوع کا مطالبہ بھی کرتی ہے۔" اس طرح رسالے میں ہر مذاق اور ہر سطح کے لوگوں کی ضیافت طبع کا سامان موجود ہے۔ طویل مضامین بھی ہیں۔ اور یک صفحی مختصر مضامین بھی!

منظومات کا حصہ بھی خاصا وقیع ہے۔ اس محفل میں بھی قدیم و جدید شعرا دوش بدوش غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

مضامین کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے میں غالب ہی کے مصرعوں سے مدد لے کر مرتبین نے اپنی خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے۔

سرورق چغتائی صاحب نے تیار کیا ہے، سادہ مگر جاذب نظر! ان کا ایک مضمون بھی دیوان غالب کے مصور ایڈیشن سے متعلق شامل مجلہ ہے۔

(باقی صفحہ ۲ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا